روگی

از

رفعت سراج

تاریخ آغاز:01062008

تاریخ اختتام:01062008

اسکیننگ: حانیہ(ہم سا ہو تو سامنے آ)

Released on 2008

اور کچھ یوں ہے کہ اب بھی حوصلہ جینے کا ہے۔

میں نے روشن کرلیا سینے میں دل بجھتا ہوا

ہااللہ۔۔۔اف وہ کشن پر سے قالین اٹھتے ہوکراہی۔

یاالٰہی بچے ہیں کہ۔۔۔اس نے سیٹی گھسیٹتے ہوجلاّ کرسوچا۔

ڈرائنگ روم، جنگ سے تباہ حال علاقے کا منظر پیش کررہا تھا۔

کوئی تو صفائی پسند ہوتے ہیں اور کوئی صفائی کے جنونی وہ دوسری قسم سے تعلق رکھتی تھی اس لیے جھلاّ ہٹ سوار تھی۔فردوس پھپھو کو انگلستان سے آ ہو آج چوتھا روز تھا۔ان چار روز میں وہ ان کے خود اعتماد بچوں کے ہاتھ مداری کی بندریا بنی ہوئی تھی جن کی حاضر جوابی، شوخ وشنگ مزاج اور اٹھا پٹخ کو ان کی ذہنی گروتھ کا لازمی جزو جان کر ماں ان حرکتوں پر داد وتحسین کی ڈونگرے برساتی تھیں۔پھپھو کی دیورانی اور ان کی سہیلی تھی پھپھو کے ہمراہ تھیں۔ن کے بچے بھی ہمراہ تھے البتہ سہیلی کے بچے بلکہ بچیاں جوان تھیں۔پھپھو اور ان کی دیورانی اپنے بڑے بچے گھروں میں چھوڑ آئی تھیں۔

ان کی آؤ بھگت میں وہ پیش پیش تھی۔اس کے علاوہ سیر سپاٹے کے لیے لے جانا بھی اس کیفرائض میں شامل تھا۔۔۔کیونکہ بڑے بھیا کو اپنے آفس سے فرصت نہ تھی۔چھوٹے بھائی جان، رسالپور میں تھے۔فرح چھوٹی تھی۔

ڈولی اور کیٹی۔۔۔دونوں اسے روبوٹ کی طرح کام کرتا دیکھتیں اور حیران ہوتیں۔نوکروں سیکام لیتی گھر کی صفائی کراتی، آتی جاتی ماں سے ٹھٹھول کرتی، ان کے آرام کا خیال کرتی، ان سے خوش گپیاں کرتی اور تو اور وہ اسے اس وقت حیرانی سے گھورا کرتیں جب وہ انہیں سیر کے لیے لے جاتی۔ پھولے پھولے سرخ رخساروں پر مسکراہٹ سے گڑھے پڑ جاتے، دوپٹا کانوں کے پیچھے اڑسے جب کسی مشاق ڈرائیور کی طرح گاڑی چلاتی۔اپنی آپ سے بیپروا مخلص سی لڑکی انہیں بہت بھائی تھی۔آج بھی وہ انہیں چائنیز ریسٹورنٹ لائی تھی۔پھپھو ہمراہ نہیں تھیں، باقی سب تھے۔

ارے، یہاں کی بسیں کیسی ہیں جیسے ردی لوہے کی چاردوں سیکام لیا گیا ہو۔کیٹی نے انگریز میں سب سے مخاطب ہوکر کہا تھا۔لوگ کتنیآرام سے بیٹھے ہیں جیسے بوئنگ سات سو پینتالیس کے وی آئی پی۔۔۔پھپھو کے چودہ سالہ ارسلان سمیت سب کے بلند وبانگ قہقہے گاڑی کی چھت پھاڑنے لگے۔

ارے سعدیہ یہ اتنی گاڑیاں جو سڑک پر دوڑ رہی ہیں، ان گاڑی والوں کے گھر کہاں ہوتے ہیں یہاں تو ہر طرف چار چار بلاک کے کا بک نظر آرہے ہیں۔

سعدیہ نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر موڑ کاٹا۔

ارے سعدیہ یہاں توک چھ بھی نہیں رکھا۔سچ ہمارے ساتھ چلو، تب تمہیں معلوم ہوگا کہ زندگی کیا ہے، کیوں ڈولی۔۔۔؟ کیٹی نے بہن کی تائید چاہی۔

ہوں اور کیا۔ ڈولی نے گویا تائید کر دی۔

شکریہ فرینڈز ہماری زندگی تو یہی ہے۔۔۔ یہ پیارا وطن ہیا۔ ہمارا۔۔۔ ہمیں اچھا لگتا ہے۔

کیا اچھا لگتا ہے؟ ڈولی نے اپنی دانست میں ٹھٹھول کیا۔

مٹی۔۔۔ اس نے گیئر بدلا۔

مٹی؟؟ ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔

معاف کرنا۔۔۔ ڈولی۔۔۔ پلیز، آئندہ میرے سامنے اس قسم کی گفتگو نہ کرنا۔ اس نے کھولتے لہو کو دبا کر رسانیت سے کہا۔ اگر کوئی ماں کو گالی دے تو اولاد کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

۔۔ پھر میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔

ڈولی اور کیٹی اسے حیران نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے ونڈ اسکرین تر آنکھیں جما کر کہا۔

نہ غربت تحقیر کے لئے پیدا کی گئی ہے، نہ امارت ستائش کے لیے۔۔۔ ہر کوئی اپنے اپنے ٹھکانے، ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے۔ ہم غریب ہی ٹھیک ہیں محنت کر رہے ہیں، کبھی ہماری بھی صبح ہو گی۔

وہ کس قدر سنجیدہ ہو گئی تدی۔ دونوں لڑکیاں بلکہ ماں تک خفیف سی ہو کر رہ گئی تھیں۔۔۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ یہ شاندار امپالا ڈرائیو کرنے والی یقیناً دیار غیر کے خواب دیکھ رہی ہو گی اور انہیں اپنی شان و شوکت کے گیت گنگنانے کا بہتر موقع مل گیا ہے۔ یہ بھی انسان کی فطرت ہے

کہ دوسروں کو خود سے کمتر جان کر نہ جانے اپنے کس جذبے کی تسکین کرتا ہے۔۔۔ مگر اس پر اعتماد، وطن پرست لڑکی سے منہ کی کھا کر رہ گئی تھیں۔ ادھر اس کا موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔

نہ جانے لوگ یہاں آ کر مہمان بن کر جی جلانے کو کیوں آ جاتے ہیں۔ اس طرح بڑھ بڑھ کر بولیں گے جیسے تاج برطانیہ کی وراثت میں کسی نمبر پر لگے ہوں۔

اونہہ۔۔۔ وہ تو وطن کے معاملے میں نہایت حساس تھی۔ قومی تقریبات میں وہ محبتوں کے ڈونگرے برسا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی تھی کہ جج اس کی جوشیلی بھڑاس پر اسے تمغوں سے نواز دیا کرتے تھے۔

وہ سوچتی تھی۔۔ وطن سے متعلق وہ جس قدر حساس ہے شاید کوئی اور نہ ہو۔

اور یہ پاکستانی نژاد برطانوی، امریکی شہری جب یہاں آتے ہیں تو انتہائی کم ظرفی سے اسی مملکت کے خلاف زہر اگلنے لگتے ہیں۔۔۔ مار آستین۔

سوری ڈیئر، تم نے مائنڈ کیا۔ کیٹی نے نچلا ہونٹ کاٹتی سعدیہ کو معذرت طلب نظروں سے دیکھا۔

اور وہ گاڑی پارک کرتے ہو دلکشی سے مسکرا دی، جیسے کہہ رہی ہو ع ارے نہیں بڑے کشادہ دل ہیں ہم۔۔۔ تمہاری ذرا سی سوری آگ اگلتی دھرتی پر ساون کا پہلا چھینٹا ثابت ہوئی ہے۔

مگر سعدیہ۔۔ اے بھئی تم کوئی سیاست دان تو نہیں ہو جو اتنا سنبھل کر بول رہی ہو کہ پریس سے ڈر لگتا ہے۔۔۔ بھئی جو دل میں ہے کہہ دو۔ وہ کھسیانی ہنسی ہنسیں۔

ارے آنٹی، ہم ایک بار کہتے ہیں اور دل کی کہتے ہیں۔ وہ مروت سے مسکرائی۔۔۔ اور اس روز کے بعد واقعی اس قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔

تمام گھر والوں نے حق مہمان نوازی خوب ادا کیا۔ آخر کار یہ سب تین ہفتوں بعد کراچی آ گئے۔ گھر میں ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے کہ ابھی ابھی سفید جھنڈا لہرایا گیا ہو۔

ابھی ان مہمان نوازیوں سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی کہ اس کا بیاسی کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ امی کی ملنسار طبیعت کے باعث ان کی دوست بھی بیحد وحساب تھیں، انہیں آنے جانے والے لوگوں میں اپنا کام دکھانے والے بھی آ گئے۔

گھر میں کھچڑی سی پکنے لگی۔

نہیں۔

نہیں وہ۔

مگر نہیں۔۔۔ وہی ٹھیک ہے۔

والدین نے تمام کام کر کے خانہ پوری کے لیے چھوٹی خالہ کو اس کے پاس بھیجا کہ بول تیری رضا کیا ہے؟

اور چھوٹی چچی بہترین سفارت کار کے فرائض نبھانے لگیں۔

بہت خوبصورت ہے، تعلیم یافتہ ہے۔

بڑا چھوٹا کنبہ ہے۔۔۔ چھوٹے بچے نہیں، اگر ہو بھی تو بس تیرے ہی ہوں گے۔ وہ شرارت

سے ہنسیں۔ وہ اس سے دو تین سال بڑی تھیں، اس لیے سہیلیوں کی طرح تھیں۔ اور اپنے بھائی صاحب اور بھائی جان کو تو بہت پسند آ ہیں وہ لوگ۔ وہ مزید بولیں۔ پھر مٹھی کھول کر سامنے کی۔ دیکھ۔۔۔ یہ دہا۔۔۔ مریے ہاتھ پر۔ وہ کھلکھلائیں۔

وہ ان کی طرف خاموشی سے دیکھتی رہی۔

ارے کیا منہ سی لیا ہے؟ مجھے جواب دینا ہے۔ وہ بیزار ہو کر بولیں۔ اچھا چل میں پیٹھ کیے لیتی ہوں۔ خوب غور سے دیکھ لے۔

مگر وہ اسی زاویے سے بیٹھی رہی۔ وہ سلجھے ہوئے والدین کی بیٹی تھی۔

بھئی، مجھے نہیں پتا چھوٹی چچی۔

کیا نہیں پتا؟

بھئی، آپ سب لوگ بہتر جانتے ہیں۔

سعدیہ، دیکھ تو لے، کتنا شاندار ہے۔ انہوں نے تصویر اس کی ناک سے لگا دی۔

وہ بری طرح جھینپ گئی۔

اچھا چل میرے جانے کے بعد دیکھ لینا۔ وہ ساری کا پلو بدن سے چپکاتی ہوئی پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

پھر جھک کر اس کا منہ چومتی ہوئی جانے کان میں کیا کہہ گئیں کہ وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

گھر میں ہنگامے اتر آئے تھے۔۔۔ یہ مشرقی شادی بیاہ کے ہنگامے الامان وہ الحفیظ۔

اور جب اس نے دیکھا۔۔۔کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے جیسا بتایا گیا۔

خوبصورت۔۔۔تعلیم یافتہ۔۔۔سنجیدہ پروقار۔۔۔کم گو۔۔۔

سب کچھ تھا۔۔۔من پسند تھا۔۔۔مگر وہ اس وقت دھک سے رہ گئی جب سنا کہ وہ تو اسٹیٹ میں رہتا ہے۔

آج سے نہیں عرصہ پانچ برس سے۔

کیا مجھے بھی خلنا ہوگا؟ اس نے احمقانہ سوال کر ڈالا۔مگر اب تو کر دیا تھا۔

کم گو آدمی کا تو ویسے ہی رعب ہوتا ہے۔۔۔وہ سوال کر کے خود ہی خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی۔

تب اس نے سیف سے کاغذات نکالتے ہوا ایک نگاہ بیوی پر ڈالی۔

اگر یہاں سے در و دیوار میری کمی پوری کر سکتے ہیں تو تم رہو شوق سے۔

وہ اس کے سادہ لہجے پر سہم سی جاتی تھی۔

نہیں، میرا مطلب ہے کہ پاسپورٹ وغیرہ۔وہ گڑبڑائی۔

کیا دیر لگتی ہے۔۔۔مگر بہر حال تم میرے جانے کے بعد تقریبا دو ماہ بعد ہی آ سو گی۔وہ بریف کیس میں کاغذات رکھ کر کٹھاک سے بریف کیس بند کرتے ہو گویا ہوا۔پھر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے بولا۔کیا تمہارا دل نہیں چاہتا جانے کو؟

ارے نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔جہاں آپ ہیں۔مجھے تو وہیں رہنا ہے۔اس نے بڑی دیر بعد عقلمندی کی بات کی۔

ہاں۔۔۔اور دیکھنے کی چیزیں بھی وہیں ہین۔۔۔یہاں کیا رکھا ہے؟ وہ اخبار اٹھا کر بیڈ کی طرف آتا ہوا بولا۔

اور وہ پھر جھلس کر رہ گئی۔

کیا رکھا ہے۔۔۔؟

کیا رکھا ہے۔۔۔؟

پھر وہی دھرتی ماں کی شان میں گستاخی۔اس کی غربت پر ٹھٹھول۔

نہیں خیر، دیکھنے کو تو یہاں بھی بہت کچھ ہے۔۔۔اب اتنا بھی چھوٹا نہیں ہے یہ ملک۔اس نے خود پا قابو پا کر بیڈ سے اٹھتے ہو کہا۔

ان باتوں سے اس کے احساس میں آگ بھر جاتی تھی۔ساتھی بھی ملا تو انہی لوگوں جیسا پراگن گانے والا وہ کمرے سے نکل کر ساس کے پاس چلی آ غی۔

اور جب وہ فہد کے ہمراہ ذرا دیر کو گھر آئی۔ذرا دیر سے مراد یہ کہ وہ کبھی اسے ایک رات کے لیے میکے نہیں چھوڑتا تھا۔اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی۔کبھی گھر کا کوئی فرد خاص طور پر امی اسے ٹھہرانے کے لیے اصرار کرتیں تب وہ اس کے تاثر سیعاری چہرے کی سمت دیکھ کر کہہ دیتی تھی۔

پھر کبھی امی۔۔۔آج بھی گھر کا بہت کام چھوڑ کر آئی ہوں، انشائاللہ چند روز بعد کافی دن کے لیے رہنے آؤں گی۔

امی جانتی تھیں کہ اب ان کی سعادتمند بیٹی ایک شخص کی ذمہ دار بیوی بن گئی ہے۔

تو۔۔۔آج وہ گھر آئی تو تنہائی میں چھوٹی چچی سے پیٹھ موڑ کر انگلیوں سے اشک پونچھتے ہو بولی۔

آپ نے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ فہد امریکا میں سٹیل ہے۔

تم نے تو تصویر تک دیکھنا گوارا نہیں کی تھی۔تم سے اس کے متعلق کیا بات کرتی اور پھر یہ بات تو ایسی تھی جو گھر میں باتوں باتوں میں بھی معلوم ہوسکتی تھی اور تم رو کیوں رہی ہو؟ وہ اسے اپنی جانب موڑتے ہو بولیں۔

تب وہ سسک پڑی۔

چھوٹی چچی، کتنی دور پھینک دیا مجھے اٹھا کے۔

پگلی، تجھے ذرا خوشی نہیں، لڑکیاں تو امریکا کے خواب دیکھتی ہیں۔۔۔پاگل کہیں کی، ہم تو سمجھے تھے کہ تجھے پتا ہوگا۔۔۔اچھا چلو چپ ہو۔۔۔روتے نہیں۔

سیر وتفریح تک تو ٹھیک ہے۔۔۔اب نا معلوم عرصے تک کے لیے اتنی دور۔۔۔وہ پھر رو دی۔

سعد یہ کیا بات ہے؟ چھوٹی چچی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔فہد تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں؟

ارے نہیں وہ تو بہت اچھے ہیں۔۔۔اتنی دور۔۔۔اکیلے۔۔۔ڈر لگے گا مجھے۔

اچھا تیز موٹر چلاتے ہو تجھے ڈر نہیں لگتا۔۔۔اب تمہارا اپنا گھر ہے۔تمہیں اپنا گھر بنانا

ہے، سنبھالنا ہے۔آج جن لوگوں کے لیے تم رو رہی ہو، کل ان سے ملنے کی تمہیں فرصت نہ ہوگی۔اب رونا نہیں، بھابی جان تو ویسے ہی افسردہ ہیں۔چلو اٹھو شاباش موڈ ٹھیک کرو۔رکوگی نا آج تو۔۔۔؟ آج اس کا جی چاہا تھا کہ سچ بول ڈالے کسی سے تو۔

دیکھ تو کتنی خوش قسمت ہے۔۔۔کتنی محبت کرتے ہیں فہد۔

جی۔اس نے اپرا ہو لہجے میں کہا۔جیسے اس جملے میں کوئی کشش نہ تھی۔ابھی میکے کی یاد بھولی تو نہ تھی، اس کا دل تو چاہتا تھا رہنے کو۔

آج فہد چلے گئے تھے۔، وہ تھکی تھکی سی اپنے کمرے میں چلی آ غی۔جاتے جاتے وہ اسے کس طرح بیکل کر گئے تھے۔۔۔اتنی بے ساختگی تو ان جو دہ دنوں میں نہ دیکھی تھی۔شام کو ان کی فلائٹ تھی۔وہ صبح سے اپنے کمرے میں بیڈ پر دراز رہے۔گلابی یوک والی ڈھیلی شرٹ اور شلوار میں وہ اداس اداس سے تھے وہ بھی مصروف تھی مگر فہد نے اسے کئی گذنٹے تک باہر نہ جانے دیا۔

ان کی مہک پورے کمرے مین رچی ہوئی تھی۔اپنی انمول عمر میں آج اسے ایک نیا تجربہ ہوا تھا۔

تڑپنے کا۔۔۔

سسکنے کا۔۔

اور رت جگے کا۔

صرف پندرہ دن میں کوئی مرد عورت کی کائنات بدل سکتا ہے۔۔۔ پھر اسے یاد آیا، اس کی کائنات پندرہ گھنٹے میں ہی بدل گئی تھی۔

یوں بھی کوئی ہر دم اس کے گھٹنے سے تو نہیں لگا بیٹھا رہتا تھا، سر شام ہی ملتے تھے مگر نہ جانے یہ کیسے جذبے تھے، تن من کو خاکستر کر دینے والے۔ اس کے دو کنوارے دیور تھے، ایک نند تھی جو شادی شدہ تھی۔ سسر حیات نہیں تھے۔ بڑا مہذب سلجھا ہوا گھرانا تھا۔ جب اس نے اپنی ساس سے میکے جانے کے لیے اجازت طلب کی تو انہوں نے فوراً ہی دے دی بلکہ خود ہمراہ آئیں اور ایک روز ٹھہریں۔

دن ہوا سے گزر گئے۔

آج اس نے پاکستان سے شکاگو تک کا سفر تن تنہا کیا تھا۔

ضروری کاروائیوں سے فارغ ہو کر وہ ہراساں سی شکاگو ایئرپورٹ پر کھڑی تھی۔ اجنبی جگہ، اجنبی دیس، مشین کی طرح اپنے آپ میں گم گزرتے ہوا جنبی لوگ۔۔۔۔ تیز بارش کے بعد ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ سیاہ اور مختلف چھتریاں تا حد نگاہ نظر آ رہی تھیں۔ فہد نظر نہ آیا تو وہ روہانسی ہو گی۔ اس نے سوٹ کیس پر ایڈریس لکھی چٹ کو دیکھا۔۔۔۔ خود اعتمادی میں درازسی پڑ رہی تھی۔ اتنے اجنبی لوگوں کی بھیڑ میں اس کی ہمت نہ پڑی کہ ٹیکسی کو روکتی، تب ہی ایک خوبصورت سی گاڑی سے فہد اترتا نظر آیا۔ سیاہ پینٹ، سیاہ ہی اوور کوٹ کے کالر کھڑے کیے ہو، دستانے چڑھا، سیاہ گلاسز لگا نرا امریکی لگ رہا تھا۔ اسے اپنی سمت آتے دیکھ کر جان میں جان

آ غی۔ مگر وہ نروس سی ہو گئی۔

ہیلو۔۔۔۔۔ جان اس نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ ارے، اتنی سخت سردی میں تم نے یہ سوئیٹر پہنا ہوا ہے۔

مگر اسے تو گھبراہٹ میں سردی بھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ تب وہ اس کے شانے سے ٹک کر بولی۔ مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا۔۔۔ اتنی دیر لگا دی آپ نے۔

سوری۔۔۔ یہ غلطی دانستہ نہیں ہوئی۔۔۔ میں تو سمجھتا تھا، تم تعلیم یافتہ لڑکی ہو۔۔۔ مگر بھئی تو تم اب تک وہی فرسودہ مزاج والی پاکستانی گرل ہو۔

آتے ہی پہلا کچوکا لگا۔

اس میں فرسودہ ذہنیت کا کیا سوال ہے۔ نئی جگہ ہے بالکل، جھجک تو ہوتی ہے پہلی مرتبہ۔ یہ باتیں انہوں نیگاڑی تک آتے آتے کیں۔ سوٹ کیس فہد نے اٹھایا ہوا تھا اور بیگ اس کے ہاتھ میں تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی فہد نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے کاندھے پر ڈال دیا۔۔۔ کوٹ کی گرمائی نے اسے احساس دلایا کہ وہ کتنی دیر سے سخت سردی کی اذیت برداشت کر رہی تھی۔ کافی کشادہ فلیٹ تھا جو ہر آسائش سے پر تھا، اسے آرائش پر کوئی خاص محنت نہ کرنا پڑی تھی۔ ان سے نیچے ایک انڈین فیملی تھی جن کے ساتھ وہ کبھی کبھار شاپنگ کے لیے چلی جاتی تھی۔ فہد کی ملازمت کے کچھ اوقات ہی نہ تھے۔ اچھا بھلا سوتے سوتے فون آ گیا اور وہ ڈیوٹی کے لیے تیار ہونے

لگا۔

سخت بوریت کا عالم تھا۔کھاپکا کر تیار ہوکر ٹی وی آن کر کے بیٹھ جاتی۔۔۔مگر جلد ہی اکتا جاتی، کھڑکی میں کرسی رکھ کر رونق میلا دیکھنے لگتی،۔۔۔مگر آنکھیں پتھرا جاتیں۔۔۔تب احساس ہوتا کہ ذہن تو کہیں اور ہے۔

تب کہیں جا کر اس کی صورت نظر آتی۔۔۔جو کہ روپیہ بنانے کی مشین نہیں فیکٹری بنا ہوا تھا۔ سارے انداز امریکیوں جیسے تھے مگر نخرے وہی پاکستانی شوہروں والے۔

یہ پاکستان نہیں ہے، سمجھیں۔اس کے تنہائی کے شکوے پر وہ برس پڑتا۔ جہاں ہزار روپے کی نوکری کر کے باقی کام ادھار ہوں۔۔۔۔یہاں ذرا ذرا سی ضرورت کے لیے اپنا پیسہ چاہیے سعدیہ بیگم۔

وہ سہم جاتی۔۔۔دیس پرایا تھا۔۔۔ساتھی تو اپنا تھا، چاہے چار گھنٹے کے لیے سہی۔۔۔وہ چپ ہو جاتی۔۔۔ہزار ہمت باندھنے پر بھی نہ کہہ پاتی۔۔۔کہ اتنا تو پیسہ ہے۔۔۔مگر جب تنہائی کا جان لیوا احساس اس کی جان کو آتا اور وہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق شکوے شکایت پر منہ پھلا کر بتی بجھا کر سو جاتا۔۔۔اور وہ بھیک میں ملے ہو چند گھنٹوں کی بیقدری پر باتھ روم میں جا کر گھٹ گھٹ کر روتی۔

رات گئے تک رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کی صبح آنکھ ہی نہ کھل پاتی۔

تب وہ صبح اس کے پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر اٹھاتا۔ یہ اس کی خفگی کا واضح اظہار ہوتا۔۔۔تب وہ

آنکھیں کھول کر جگانے والے کی طرف دیکھتی اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی۔۔۔کیونکہ وہ آفس جانے کے لئے بالکل تیار ہوتا بریف کیس اٹھا۔

دروازہ بند کرلو۔اسے جاگتا دیکھ کر وہ کہتا ہوا بیرونی دروازے کی سمت بڑھ جاتا۔

اور وہ ننگے پاؤں اس کے پیچھے چلی آتی۔۔۔وہ سنیں۔۔۔ناشتا۔۔۔

کرلیا ہے میں نے۔۔۔۔تیار کرنا آتا ہے مجھے۔اور وہ چہرے سے ملال ہٹا کر بناوٹی بشاشت چہرے پر لا کر اسے سمیو کہتی۔۔۔گویا باور کرانا چاہتی ہو کہ بھلا وہ کوئی ناراض تھوڑا ہی ہے بس یونہی آنکھ نہیں کھلی۔مگر دروازہ بند کر کے اپنے آپ کو پیٹنے کو جی چاہتا۔

کیا قیامت ہے۔۔۔خفا بھی نہیں ہو سکتے۔۔۔کھل کر رو بھی نہیں سکتے۔اسے اپنا آپ یکسر مظلوم دکھائی دیتا۔۔۔تب ناشتے کے بعد پاکستان فون کرنے کی تیاری کرنے لگتی۔

آج وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

سعدیہ طاہر اپنے گھر شادی کی خوشی میں پارٹی دے رہا ہے۔شادی میں تو تم شریک نہیں تھی۔ اس نے اور اس کی بیوی نے بہت اصرار کیا ہے کہ تم پارٹی میں ضرور شریک ہو۔

ابھی گزشتہ ہفتے اس کے دوست طاہر نے ایک امریکی لڑکی ڈورتھی سیمیوئیل کو مسلمان کر کے شادی کی تھی مگر اس روز اس کی طبیعت خراب سی تھی اس لیے وہ تنہا ہی چلا گیا تھا۔

کیوں چلو گی نا؟ وہ کبھی جبر نہیں کرتا تھا۔

جی ضرور۔

تو چلو آؤ، تمہیں کچھ جیولری دلا لائیں۔

میرے پاس کافی جیولری ہے۔

اب تم پاکستانی کنوار عورتوں کی طرف ست لڑے اور چمپ کلی پہن کر ان اسٹینڈر پارٹیز میں شرکت کرو گی؟ اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

اور اس کے منہ سے مشرقی زیورات کے نہایت جلے بھنے انداز میں نام لینے پر ہنسی تو بہت آئی مگر اس نے ضبط کر لیا۔

میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ چلیں، میں تیار ہوتی ہوں، ابھی چلنا ہے ناں؟ وہ مصالحانہ انداز میں بولی۔

اور وہ اسے ایک عالیشان زیورات کی دکان پر لے گیا، نہایت ماہرانہ انداز میں پتھروں کو پرکھ رہا تھا اور ساتھ ہی دعوت دے رہا تھا کہ وہ پسند کرے۔

تب اس نے ایک ناہیت نازک سا سیٹ پسند کیا۔ جس میں سرخ نگوں کی بہتات تھی جو نگ نہیں یاقوت تھے۔ اس نے اس کی پسند کو سراہا۔۔۔ اور جب وہ ادائیگی کر رہا تھا تب وہ چکرا کر رہ گئی، اس سیٹ کی مالیت لاکھ سے اوپر تھی مگر اس نے اس طرح ادائیگی کی جس طرح وہ آئس کریم خریدتی تھی۔

ارے، یہ تو بہت مہنگا ہے۔ اس نے میاں کے تاثرات جاننا چاہے اور اس کی سمت دیکھا بھی، کہیں وہ اتنی مہنگی پسند پر جھنجھلا تو نہیں گیا۔

زیورات تو ہوتے ہی مہنگے ہیں۔۔۔ رہی پیسے کی بات تو سبھی کچھ تمہارا ہے۔ وہ آج بہت خوشگوار موڈ مین تھا۔

اور وہ شرمندہ ہو کر سوچنے لگی۔

ہر انسان کی اپنی عادت ہوتی ہے۔ میں ان کی سنجیدہ طبیعت پر خواہ مخواہ سوچنے لگ جاتی ہوں۔ ۔۔ مرد تو عورت کو اپنی سانسوں کی مہک سے لوٹ لیتا ہے کجا یہ قاتل انداز باتیں۔ وہ مان گئی، ہلکی پھلکی ہو گئی۔

پھر وہ نہایت اہتمام سے تیار ہوئی بڑے دل سے بڑی چاہ سے۔

تقریب میں کافی پاکستانی، ہندوستانی جوڑے تھے۔ اس نے اپنے ڈھیر سارے انگریز دوستوں سے اس کا تعرف کرایا۔۔۔ ایک سرخ داڑھی، سرخ بالوں والا انگریز فہد کا ہاتھ تھام کر ایک کونے میں لگی میز پر لے گیا۔۔۔ فہد جاتے جاتے اسے اپنی چند انگریز سہیلیوں کے حوالے کر گیا۔ تقریب کے اختتام تک وہ بوڑھا اس کے ساتھ چپکا رہا۔

تین ماہ بعد وہ ایک ہفتے کے لیے وطن آ۔

اپنے وطن کی سرزمین دیکھتے ہوا اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ایئرپورٹ کی عمارت پر نگاہ پڑتے ہی اسے ایسا لگا جیسے وہ ماں کی گرم آغوش میں آ گئی ہو۔

گو کہ انجانے لوگ تھے مگر شناسا لگ رہے تھے۔۔۔ اپنے لگ رہے تھے۔۔ اس کا دل چاہا فہد کو اپنا فیصلہ سنا دے کہ اب وہ مشینی ملک نہیں جا گی۔ جہاں سرد مشینی لوگوں کا راج ہے۔

وہ اجاڑ سونا فلیٹ۔۔۔تنہائی۔۔۔اور یہاں کی راتیں بھی سہانی۔۔اس کی آنکھوں سے قطرے ٹپک گئے۔

فہد نے چونک کر دیکھا۔کیا بات ہے؟ میں۔۔۔میں۔۔۔بہت خوش ہوں۔اس نے سچ اگل دیا۔

واٹ نان سنس کہتے ہو فہد نے بیلٹ کھولا اور بولا۔

تم میرا بریف کیس اٹھالو۔خود اس نے سوٹ کیس اٹھا لیے۔ٹرالی شاید کوئی فارغ نہیں تھے اور وہ جلدی میں لگتا تھا۔اس نے بریف کیس اٹھایا تو لڑکھڑا گئی، ایک سوٹ کیس جتنا وزن تھا۔ روانگی س یقبل اس نے گھر فون کر دیا تھا۔

ایئرپورٹ پر اس کی نندرحسانہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ موجود تھی۔

اپنوں کی مہک سے اس کے جذبات بھر بھر آ رہے تھے مگر وہ میاں کے خیال سے خود پر قابو رکھ رہی تھی۔

رخانہ سے گلے مل کر آنکھوں میں آنسو امڈ آ تھے۔

ارے بھابی آپ تو بالکل پری بن کر آئی ہیں۔وہ اس کے دودھیا ہاتھوں کو فرط شوق سے دبا کر بولی۔

بڑے چچا بھی کراچی میں مقیم تھے۔وہ کسٹم میں ملازم تھے، سامان کی چیکنگ کے دوران ان سے ملاقات ہوگئی تھی۔وہ اب عمارت کے باہر بھی ہمراہ تھے۔

دو دن رخسانہ کے ہاں قیام کے بعد وہ اسلام اباد چلے گئے۔چار دن میں تو اس کی آنکھ سے ملن کے آنسو بھی خشک نہ ہوتے تھے کہ روانگی کا دن بھی آ گیا۔۔۔اسے اپنے عالیشان سجے سجا فلیٹ کے خیال سے ہی جھرجھری آ گئی وہ شاید جان گیا تھا، تب ہی کہا۔

تم رہنا چاہتی ہو تو رہ جاؤ، بعد میں آ جانا۔اس نے ہر تاثر سے عاری چہرے کی سمت دیکھا۔ اسے معلوم تھا اس کا مطلب کیا ہے،

اس بار اس کے مزاج میں زیادہ سلجھاؤ پیدا ہو گیا تھا وہ نئے حوصلے سے چلی آئی پھر اس نے تین چکر سال میں تنہا لگا۔۔۔کہ وہ اس قدر فالتو نہیں کہ بھاگ بھاگ کر پاکستان جا۔اسے بیوی کے احساسات کی کیا خبر تھی جو دھرتی ماں کی آغوش کو ہی سب کچھ سمجھتی تھی یاقوت، ہیرے اور جواہرات سے زیادہ۔۔۔اور اب تو وہ عادی ہوگئی تھی۔دوسری مرتبہ جب وہ تنہا جا رہی تھی، تب فہد نے اسے ایک ٹھوس سیاہ چھوٹا سا بکس دیا۔

اسے حفاظت سے لے جانا۔اس میں چند مائیکرو فلمیں ہیں ہمارے بزنس سے متعلق۔کراچی ایئرپورٹ پر تمہارے چچا تو ہوں گے۔اس کی حفاظت کرنا نہایت حساس چیز ہوتی ہے۔ رخسانہ کے گھر عطا الرحمٰن نامی شخص جو ہماری کمپنی کا ڈائریکٹر ہے آ گا، اس کے حوالے کر دینا اور یہ کاغذات ہیں، وہ ان پر سائن کرے گا ان کاغذات کی حفاظت اپنے زیورات سے زیادہ سمجھ کر کرنا۔وہ اسے اس طرح سمجھا رہا تھا جیسے وہ اسکول کی کام چور اکتائی ہوئی بچی ہو۔

انہیں اچھالتی نہ پھرنا۔۔۔ذرا سی رگڑ سے یہ چیز خراب ہو جاتی ہے۔۔۔میں اپنا سوٹ کیس

دے رہا ہوں جس میں یہ حفاظت سے رکھی جا سکتی ہیں۔تم اپنا سامان بھی اس میں ہی ڈال لو۔
اب تو اس کی گزد میں سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی بیٹی بھی آ گئی تھی۔وہ اس میں مصروف ہوگئی تھی،اب تو اگر دو چار ماہ ہو جاتے تو وہ خود ہی کہتا تھا۔
کیوں بھئی،کیا پاکستان جانے کا ارادہ نہیں ہے؟
لو خوش ہو جاؤ،تمہاری بکنگ کرا دیتا ہوں۔۔بولو کب جاؤ گی؟
تب وہ خوش ہو کر تاریخ کا تعین کر دیتی۔
اور پھر وہ اسے سیاہ چھوٹا سا بکس بھی دیتا۔
یہ آپ میرے ہاتھ ہی کیوں بھجواتے ہیں؟اس کام کے لیے اتنا بڑا ادارہ کوئی دوسرا ملازم نہیں رکھ سکتا؟اس نے جھنجھلا کر یا اکتا کر یہ بات نہیں کی تھی۔بس اپنی متجسس فطرت کے موجب چلتے چلتے سوال کر ڈالا تھا۔
تب اس نے دیکھا،میاں صاحب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔
کیا ہاتھی جتنا وزن ہے؟رہنے دو اگر تم سے یہ نہیں ہوتا۔
میرا یہ مطلب نہیں تھا۔وہ اس کی بات سنبھلتے ہو بولی۔
یہ میرے مفاد کا کام ہے۔اس کام میں مجھے سب سے زیادہ منافع ملتا ہے۔
کیا یہ آفس کا کام نہیں؟اس نے سوال کر دیا۔
ہے تو آفس ہی کا۔۔۔مگر تم نے اوور ٹائم کا نام سنا ہوگا تم۔۔۔اسے اوور ٹائم سمجھ لو۔اور خدا کے

لیے آئندہ میرا دماغ نہ کھانا۔یہ جملہ اس نے انگریزی میں کہا تھا۔تب وہ خاموش ہو کر رہ گئی۔اس مرتبہ فہد کی مس کے پرزور اصرار پر کہ وہ عید یہیں کریں،وہ ہفتے بھر کے لیے چلے آ تھے۔
اسی دم جمال بھائی کی شادی کا ہنگامہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے شوہر سے ایک ماہ رہنے کی اجازت طلب کی جو بلا تامل مل گئی۔وہ تو اپنی چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے ہی روانہ ہو گیا تھا۔
اتنے عرصے کے بعد وہ خاندان کے ساتھ کوئی بڑی تقریب منا رہی تھی۔بہت خوش تھی،ہر ہفتے میں دو مرتبہ فون کر لیتی تھی۔جانتی تھی کہ وہ مشینی آدمی اسے کسی طور فون نہ کرے گا۔
اس نے دو خط بھی تحریر کیے تھے جن کی سعدیہ کو کوئی اطلاع نہ تھی آیا ملے کہ نہیں،جسے فون کرنے کی فرصت نہ تھی،وہ بھلا خط کیوں کر لکھتا۔مگر اس مرتبہ حیران کن بات تھی کہ اس نے خود فون کر کے اس کی اور بیٹی کی خیریت دریافت کی تھی۔وہ اس شخص کی عادی ہو چکی تھی۔کوئی گلہ نہ تھا کوئی شکوہ نہ تھا اس سے۔اس نے تار بھیج کر اطلاع دے دی تھی کہ فلاں تاریخ کو آ رہی ہے۔تار بھیجنے کی نوبت اس لیے آئی کہ تین چار فون کیے گھر بھی اور آفس بھی مگر اس کا ایک فون بھی ریسیو نہیں کیا گیا۔اس صورتحال سے وہ اور پریشان تھا۔
رومی سال بھر کی تھیع وہ اس کے انتظار میں تھی۔رومی بھاگی پھر رہی تھی۔وہ از حد کوفت میں مبتلا ہو گئی تھی۔
اونہہ یہ میں ہی تھی جو اس شخص کے ساتھ گزارہ کر لیا۔میری جگہ کوئی اور ہوتی تو دن میں تارے

دکھا دیتی۔کوئی پرواہی نہیں ہماری، حد ہے کوئی۔۔۔آج کروں گی اچھی طرح کسائی۔۔۔
بہت ہولیا۔کافی دیر تک انتظار کے بعد ہوٹیکسی کر کے گذر چلی آئی۔فلیٹ کی دوسری چابی اس
کے پاس تھی۔فلیٹ میں داخل ہوتے ہی ایسا لگا جیسے وہ زلزلے سے تباہ حال بستی میں آ گھسی
ہو۔

وارڈ روب سے کپڑے باہر لٹک رہے تھے۔دونوں پٹ کھلے تھے۔لاکر کی تمام درازیں باہر نکلی
ہوئی تھیں۔کونا کونا الٹ پلٹ تھا۔یہاتنکہ باتھ روم کے شیشے تک اتار کر اوندھے منہ رکھے ہو
تھے۔رومی ذرا سی بچی تک حیران پریشان تھی،تب وہ سسک پڑی۔
اتنی ہیپر وائی فہد تمہاری ساری محنت آج چلی گئی۔اف میرا گھر تو لٹ گیا فہد۔۔۔
فہد کے آفس فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ماہ سے غیر حاضر ہے اور تین دن بعد اس کی
ملازمت خود بخود ہی ختم ہو جا گی۔
روتے روتے اسے خیال آیا کہ پولیس اسٹیشن فون کرے اس نے پولیس اسٹیشن فون کیا۔اور
نیچے انڈین فیملی رہتی تھی جس کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے،وہ وہاں چلی گئی۔
مم۔۔۔میرے فلیٹ میں چوری ہوگئی آنند بھائی۔وہ پھر رو پڑی۔میں نے پولیس اسٹیشن بھی
فون کر دیا ہے۔۔۔پولیس آنے والی ہے۔آپ میرے ساتھ اوپر چلیں۔
مسز فہد آپ کے گھر چوری نہیں ہوئی۔۔۔
آپ چل کو تو دیکھیں،واقعی چوری ہوئی ہے۔وہ آنند بھائی کی بات کاٹ کر بولی۔

میں کہہ رہا ہوں ناں۔۔۔آپ کے فلیٹ میں چوری نہیں ہوئی بلکہ تین ہفتے قبل آپ کے فلیٹ
میں پولیس آئی تھی۔
پو۔۔۔لیس۔۔۔پولیس۔وہ تیرا کر گرنے لگی۔آنند کی بیوی آشا نے اسے تھاما۔آپ کے
شوہر پر قیمتی پتھر اسمگل کرنے کا الزام ہے۔اس نے اتنا سنا اور ہوش کھو کر آشا کی بانہوں میں
جھول گئی۔
وہ چار گھنٹے بیہوش رہی،اسی دوران پولیس بھی آئی تھی تب آنند نے پولیس کو بتایا کہ گزشتہ دنوں
فلیٹ نمبر 32 کے باسی پکستانی فہد عثمان کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ان کی بیوی اس بات سے
لاعلم ہیں اور آج ہی پاکستان سے لوٹی ہیں۔وہ سمجھیں کہ ان کے فلیٹ میں چوری ہوئی ہے۔
پولیس کی واپسی کے کافی وقت گزرنے کے بعد وہ ہوش میں آئی۔دونوں میاں بیوی اور ان کی
بڑی بیٹی اسے تسلی دینے لگے۔۔۔مگر اس کے آنسو نہ تھم رہے تھے۔پرادیس میں تنہا لڑکی۔۔
کوئی اپنا نہیں۔۔کیسا اندھیر تھا۔آنند بھائی نے وعدہ کیا کہ وہ فہد کے بارے میں معلومات
حاصل کریں گے۔تب وہ لٹی پٹی اپنے فلیٹ میں چلی آئی۔رومی آشا بھابی کے پاس تھی۔۔۔
وہ بھکری ہوئی چیزوں کے پاس بیٹھ کر خالی خالی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی چاروں طرف تم نے
مجھے ذلیل ہی نہیں کیا فہد۔۔۔دیکھو۔۔۔دو اجنبی دیس کے باسی اب میرے وطن کے لوگوں
کے بارے میں کیا کہیں گے۔وہ بھی پرا ہیں بو تمہیں یہاں سے لے گئے ہیں۔یہ بھی غیر ہیں
جو میری دلجوئی کر رہے ہیں

آنند اور آشا نے اس کی نہایت مخلصانہ مدد کی۔ انہی کی کوششوں کی بدولت آج وہ فہد کے سامنے کھڑی تھی۔

اس کا رواں رواں رو رہا تھا۔

یہ آپ نے کیا کیا فہد۔۔۔ وہ تڑپ کر رو دی۔۔۔ اس کا شیر کتنی بیبسی کی حالت میں تھا۔

مجھ پر محض الزام ہے۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جا گا۔۔۔ بس ایک کام کرنا اس حادثے کی اطلاع پاکستان میں نہ دینا۔۔۔ چند دنوں بعد سب ٹھیک ہو جا گا۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔

لو بھلا، میں اپنی چاد و آپ نوچ پھینکوں گی؟ اس نے رومی کو دوسرے شانے پر ٹکاتے ہو دکھ سے سوچا۔

فہد۔۔۔ کیا واقعی یہ آپ پر الزام جھوٹا ہے؟

ہاں۔

کب تک معاملہ ٹھیک ہو جا گا؟

بہت جلد۔۔۔

انشائ اللہ۔ اس نے منہ میں ہی کہا۔

مگر خدشات سے اس کا دل لرزنے لگا۔۔۔ کیونکہ اس نے جیل میں سرخ بالوں، سرخ داڑھی والے بوڑھے انگریز کو بھی دیکھا تھا۔

اور بہت جلد فیصلہ ہو گیا۔ جرم ثابت ہو گیا تھا کہ پولیس تو شکا گو ایئر پورٹ سے فہد کے تعاقب میں لگ چکی تھی۔ ہر ثبوت نہایت واضح اور مدلل تھا۔۔۔ جب اسے معلوم ہوا کہ فہد سات آٹھ برس اب آسمان کو ترسے گا تو وہ چکرا کر بیہوش ہو گئی۔۔۔ کہ وہ اس پرا دیس میں کہاں تک وقاداری نباہے گی۔ صرف اپنے چند مفاد، اپنے چند فضول جذبوں کی خاطر، لوگ اس قدر گر جاتے ہیں کہ جو بیقصور رہوتے ہیں وہ ان سے زیادہ بامشقت سزا اٹھاتے ہیں۔

آج وہ بپھر کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی مگر اسے بیبسی سے سر ڈالے دیکھ کر رواں رواں بین کرنے لگا رہی سہی کسر اس کی باتوں نے پوری کر دی۔

سعدیہ درحقیقت تم ایک عظیم عورت ہو۔۔۔ آج ہی نہیں میں تو کبھی بھی تمہارے قابل نہ تھا۔ تم پاکستان واپس چلی جاؤ۔۔۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔۔۔ تم کسی ایسے شخص کا دامن تھام لینا۔۔۔ جو تمہارے احساسات کا مالک ہو۔۔۔ وطن دوست ہو۔

پلیز فہد، خاموش ہو جائیں۔ وہ آنسو بہانے لگی۔ وطن یاد آیا تو کلیجے پر چوٹ لگی دیکھو تو بھلا سزا سے سزا تک کا سفر۔

اب تو میری جان بخش دو۔۔۔ اب تو میری جان پر رحم کرو، یہ عورت کا دل ہے فہد۔۔۔ ایسا کتبہ جس پر رنگ پھیر کے نیا نام نہیں لکھا جاتا۔۔۔

میں۔۔۔ انتظار کی مالا جپوں گی۔۔۔ تنہائی۔۔۔ کی بھٹی میں جلوں گی مگر تمہاری رہوں گی کہ میری سرشت میں تو ہے ہی وقاداری۔۔۔ مگر اج میں تم سے چند وعدے لوں گی۔۔۔ آج

تمہیں میری بہت کچھ سننا پڑے گی۔آج میرا وقت جاوی ہے میں اسے ضائع نہیں جانے دوں گی۔۔۔اس نے سلاخوں پر رکھے فہد کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

فہد۔۔۔جب آپ یہاں سے نکلیں گے تو ہم اپنے وطن میں رہیں گے۔۔۔میں انتظار کروں گی۔آپ نے اتنی بڑی بات کہہ کر میری شدید توہین کی ہے۔۔۔فہد میری مٹی میں فقط وقاداری ہے۔۔۔یہ اپ نے کیا کہہ دیا؟

فہد لوگ۔۔۔مردہ ضمیر کا چٹانوں سا وزن اٹھا کر جی لیتے ہیں۔۔۔میں کیا انتظار کی خاک بھی نہ اٹھا سکوں گی؟ وہ نہ چاہتے ہو بھی چوٹ کر گئی تھی۔

اسے کبھی بیموقع بات کہنے کی عادت نہیں تھی، یہ بات اس نے موقع ہی سے کہی تھی۔۔۔فہد کا جھکا سر۔۔۔مزید جھک گیا۔

آپ تو میری بیٹی کے باپ ہیں۔مگر فہد ایک بات ہے۔اس نے جیل کے چکنے فرش والے برآمدے میں سرخ فراک میں ملبوس سنہری بالوں والی (جن کو دو حصوں میں بانٹ کر پونیاں بندھی ہوئی تھیں) ڈیڑھ سال کی بیٹی کو اچھلتے کودتے دیکھا۔آپ نے کبھی سوچا۔

کہ ستم آپ جیسے لوگ ڈھاتے ہیں۔۔۔۔

اور

روگ ماؤں کو لگ جاتے ہیں۔

اختتام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ The End